ضبط و ترتیب :۔ مولانا سید نصیب علی شاہ حقانی
نائب رئیس جامعہ زرگری

تاریخ دارالعلوم دیوبند کا ایک ورق

شیخ الحدیث مولانا عبدالرؤف کی زبان سے

شیخ الحدیث مولانا عبدالرؤف ترناوی نے فرمایا کہ اکابر دیوبند کے درمیان اگر کوئی اختلاف ہوتا تو وہ بھی حق کے لئے تھا اس میں کچھ ذاتی اغراض نہ تھے ہاں ایسے موقعہ پر بعض شدت پسند متعصب وابستگان کے اس میں زیادہ دلچسپی لینے سے معاملہ مشکل ہو جاتا تھا۔ اور اس کا فائدہ اغیار حاصل کرتے تھے۔ فرمایا کہ اکابر کے درمیان جو اولین اختلاف پیدا ہوا وہ کچھ اس طرح تھا کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی دونوں ایک جانب تھے اور ان کے خلاف مہتمم مولانا حبیب الرحمن (یہ اور مولانا شبیر احمد عثمانی) اور مولانا حافظ احمد صاحب صدر مہتمم کے ساتھ تھا۔ اور اس خلاف کو پیدا کرنے میں دارالعلوم کے ایک منشی سید رحمت علی فاضل دارالعلوم نے کلیدی کردار ادا کیا۔ یہ منشی رحمت علی مہتمم کے ہاں جا کر شاہ صاحب کے خلاف باتیں ذکر کرتا۔ اور شاہ صاحب کی باتیں پہنچا دیتا۔ پھر یہی منشی رحمت علی آکر شاہ صاحب کو مہتممین کے عزائم اور باتوں سے آگاہ کرتا۔ چنانچہ دارالعلوم میں مشہور ہوا کہ شاہ صاحب اہتمام سے ناراض ہیں۔ شاہ صاحب کا طریقہ یہ تھا کہ شوال میں درس ترمذی شروع کر کے تعطیلات عیدالاضحیٰ تک پڑھاتے۔ اور بخاری شریف عیدالاضحیٰ یا سہ ماہی امتحان کے قریب یا بعد شروع فرماتے۔

اس دفعہ شاہ صاحب عید کی چھٹیوں میں حسب معمول کشمیر گئے۔ معمول یہ تھا کہ شاہ صاحب کے کشمیر سے واپسی پر جملہ اساتذہ اور طلبہ ان کے مکان پر جا کر خوش آمدید کہتے۔ چنانچہ حسب معمول جب شاہ صاحب آئے تو ان کے مکان پر اساتذہ و طلبہ دارالعلوم کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ان میں مولانا رسول خان صاحب اور مولانا ابراہیم صاحب بھی تھے۔ ان کی ملاقات کے بعد دارالعلوم کے منشی سید رحمت علی ملاقات کے لئے آکر ہاتھ باندھے تو شاہ صاحب نے غصہ کے عالم میں فرمایا کہ :۔

"خبیث میرے سامنے کیوں آتے ہو؟ خبیث تو سید نہیں اگر ہے تو میرا کوئی گلا کاٹ دے تو چھ مہینے نراو چھ مہینے مادہ رہتے ہو۔"

چنانچہ منشی رحمت علی وہاں سے مہتمم مولانا حبیب الرحمٰن کے ہاں گئے۔ اور روئے کہ حضرت مجھے تو شاہ صاحب دارالعلوم سے نکالتے ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن دارالعلوم کے کرتا دھرتا تھے۔ انہوں نے اس سے قبل مولانا عبید اللہ سندھی کو بھی نکالا تھا۔ مولانا حبیب الرحمٰن کو یہ ناگوار گزرا۔

چنانچہ منشی رحمت علی نے راتوں رات مطبع قاسمی سے ایک اشتہار چھپوایا جس کی سرخی تھی کہ:۔

مولانا انور شاہ صاحب کے اخلاق حسنہ۔ اور اس میں شاہ صاحب کے الفاظ نقل کر کے سوال کیا کہ ایسے شخص کی کیا سزا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میرا گناہ یہ ہے کہ میں نے مہتمم کے حکم پر ان طلبہ کا اخراج کیا جو کہ بقول وفد پنجاب شاہ صاحب کے کہنے پر سب کچھ کرنے کو تیار تھے۔ شاہ صاحب کے آدمی تھے۔ اور گڑبڑ پھیلانا چاہتے تھے۔

فرمایا کہ وفد پنجاب کا ذکر کر دوں۔ یہ وفد پنجاب سے مولانا عبد العزیز گوجرانوالہ کی قیادت میں مصالحت کے لئے آیا تھا لیکن اس کو مولانا حبیب الرحمٰن نے واپس کیا۔ کیونکہ انہوں نے محسوس کیا تھا کہ یہ وفد صرف شاہ صاحب کی حمایت میں ہے۔ اس لئے اس سے مصالحت مشکل ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن نے وفد سے کہا کہ تم پنجاب کے لوگ ہو اور پنجاب کے لوگوں کی دیوبند سے وابستگی کم ہے۔ اور نہ ہی اتنا چندہ دیتے ہو جیسا کہ دوسرے صوبے ہماری مدد کرتے ہیں۔

چنانچہ انہیں بتایا کہ آپ کو شاہ صاحب کی حمایت میں آنے کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا کہ منشی کا یہ اشتہار دارالعلوم کے بورڈوں پر لگا ہوا تھا اور صبح جب طلبہ نے دیکھا تو ہنگامہ برپا ہوا۔ اس دوران دہلی سے مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب دہلوی بھی مصالحت کے لئے آپہنچے۔ طلبہ نے ہنگامہ کرا کر دارالعلوم میں جلسہ کرایا۔ اور اعلان کرایا کہ آج کھانا بھی نہیں کھائیں گے۔ جملہ طلبہ جامع مسجد میں جمع ہو گئے۔ اس دوران مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلوی نے طلبہ سے خطاب کیا اور پرامن اور ہڑتال نہ کرنے کی اپیل کی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنی تقریر میں حدیث پیش کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انصر اخاک ظالما او مظلوما اور اس حدیث کی تشریح فرمائی۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب کشمیری نے عالمانہ انداز میں خطاب فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میرا اور مدرسہ کا اختلاف اجتہادی تھا۔ لہٰذا طلبہ اس میں حصہ نہ لیں۔ اور اپنے اسباق میں شغل جاری رکھیں جلسہ کے آخر میں حافظ احمد صاحب نے مفتی کفایت اللہ صاحب کے ذریعہ طلبہ کو اعلان کروایا کہ طلبہ مطبخ سے کھانا لے لیں۔ اور ہڑتال ختم کریں۔ جلسہ ختم ہونے پر طلبہ دارالعلوم آئے تو وہاں مولانا حبیب الرحمٰن نے دارالحدیث میں جلسہ بلایا۔ اور کہا کہ شاہ صاحب اور مولوی شبیر کو چاہئے کہ مجھ سے پوچھ لیں اور کام کریں اور جو حقیقت حال معلوم نہ ہو مجھ سے وضاحت لیں۔ انہیں یہ ہنگامہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔

اس دوران علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنی جوتی لے کر مولانا حبیب الرحمٰن کے سامنے رکھدی اور کہا کہ آپ کو
حق ہے کہ اس پر مجھے ماریں۔ اکابر نے جو فیصلہ کیا ہے منظور ہے پھر ایسا نہ ہوگا۔ چنانچہ اس واقعہ کا طلبہ پر بہت
اثر ہوا۔ لیکن مولانا انور شاہ صاحب کشمیری دوسرے راستے سے چلے اور مہتمم صاحب دوسرے دروازے سے۔
فرمایا کہ جلسہ کے بعد مولانا قاری محمد طیب صاحب شاہ صاحب کے مکان پر گئے۔ اور شاہ صاحب سے کہا کہ
ابا جان (حافظ احمد صاحب) اور چچا جان (مولانا حبیب الرحمٰن) کی آپس میں لڑائی ہو گئی۔ چنانچہ شاہ صاحب
کے ذہن میں آیا کہ مولانا حبیب الرحمٰن کل میرے اسباق پڑھانے پر ناخوش ہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب کل درس میں نہ آ
سکے۔ تو طلبہ میں بے چینی پھیل گئی۔ کیونکہ اس ہنگامہ کے دوران حکیم مسعود احمد گنگوہی نے مفتی عزیز الرحمٰن سے
بھی استعفا لیا تھا جب کہ میاں اصغر حسین صاحب حج پر گئے تھے۔ اور وہاں سے بیت المقدس بھی جانے والے
تھے اسباق کا تعطل زیادہ ہوا۔ اور ہنگامہ دوبارہ شروع ہوا۔

فرمایا کہ اس دوران مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب دیوبند آئے تھے اور حضرت شیخ الہند کے مکان میں مقیم تھے
اس وقت تک حضرت مدنی نہ تو دارالعلوم کے ممبر شوریٰ تھے اور نہ ہی استاد تھے۔ بلکہ سلہٹ میں پڑھایا کرتے
تھے۔ اور سال میں ایک دو مرتبہ گنگوہ اور دیوبند آکر چند دن ٹھہرتے۔ اس موقعہ پر حضرت مدنی بھی دیوبند میں
مقیم تھے۔ چنانچہ مہتمم صاحب نے حضرت مدنی کے ہاں آکر عرض کیا کہ حضرت یہ ہنگامہ ہوا ہے اور طلبہ ادھر ادھر
پھر رہے ہیں۔ اس لئے کسی طرح طلبہ کو مشغول کریں، فرمانے لگے کیسے؟ مہتمم صاحب نے فرمایا کہ کوئی کتاب شروع
کراؤ۔ حضرت مدنی فرمانے لگے کہ میں تو مسافر آدمی ہوں چند دنوں کے لئے رہا ہوں اور اب سلہٹ جاؤں گا لیکن
مہتمم کے اصرار پر حضرت مدنی نے مولانا نانوتوی کی کتاب تقریر دلپذیر شروع کی۔ جس میں طلبہ نے دلچسپی لی

اس دوران بعض طلبہ ادھر ادھر پھرتے تھے۔ منشی رحمت علی نے مہتمم مولانا حبیب الرحمٰن کو رپورٹ کر دی
کہ ہڑتال کرنے والے طلبہ عارضی درس میں بھی طلبہ کو شریک نہیں ہونے دیتے۔ اور اسباق میں خلل ڈالتے ہیں چنانچہ
مولانا حبیب الرحمٰن غصہ کے عالم میں آئے اور دارالشوریٰ سے ہیبت ناک نعرے لگا کر کہنے لگے کہ نکلو دارالعلوم
سے۔ چنانچہ مولانا یحیی کے ہاں جا کر کہا کہ پناہ ہو جاؤ۔ مولوی بدر عالم کو کہا کہ چلے جاؤ۔ منشیوں سے کہا کہ ہڑتالیوں کو نکالو
اور ان سے کہا کہ جاؤ شاہ صاحب کے پاس کہ تم یہاں سبق نہیں پڑھا سکتے۔

جب شاہ صاحب کو یہ خبر پہنچی تو وہ سمجھے کہ اب مصالحت مشکل ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے حضرت شاہ کشمیری سے کہا کہ چلیں جامع مسجد میں درس شروع کرتے ہیں
اور دارالعلوم کی کتابیں تو طلبہ کے پاس ہیں اور یہ کتابیں وقف ہیں لہذا طلبہ یہ کتابیں ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ شاہ
صاحب کہنے لگے یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

اس دوران مولانا ظفر علی خان نے اپنے اخبار روزنامہ زمیندار میں اس نزاع پر مضامین لکھے جو شاہ صاحب کی حمایت میں تھے حتیٰ کہ مولانا حبیب الرحمن کو نواب حبیب الرحمن لکھا۔ اس طرح مولانا محمد علی جوہر بھی دیوبند آئے جو بظاہر اہتمام کے خلاف تھے اور ایک دفعہ تو حضرت مدنی سے شیخ الہند کے مکان پر کہنے لگے کہ آپ نے مہتممین کی حمایت کیوں کی ہے۔ حضرت مدنی نے جواب میں فرمایا کہ ان حضرات کے دور اہتمام میں دارالعلوم کو جو عروج حاصل ہوا ہے وہ اس سے پہلے کسی دور میں نہیں ہوا۔ اور مزید فرمایا کہ حضرت آدم نے جب جنت میں دانہ کھا لیا تو جنت سے نکال دیئے گئے۔ لیکن اس سے فائدہ یہ ہوا کہ ان کی اولاد سے بہت سے انبیاء پیدا ہوئے۔

اس دوران اہتمام والے حضرت مدنی کے ہاں آئے۔ اور کہا کہ آپ یہاں دورہ حدیث کے طلبہ کے لئے ترمذی شریف اور بخاری شریف شروع کرائیں۔ لیکن حضرت مدنی نے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ میں سلہٹ سے آیا ہوں اور وہاں پڑھا رہا ہوں اس لئے وہ ناراض ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ شاہ صاحب خفا نہ ہو جائیں۔

بہر حال اہتمام والوں نے حضرت مدنی کو مجبور کیا اور مسلم شریف ان کے حوالے کی۔

اس سے قبل مسلم شریف مولانا رسول خان صاحب پڑھا رہے تھے۔ ان سے مسلم شریف لے کر ابو داؤد دے دی۔ حضرت مدنی کے تین دنوں تک مسلسل انکار کے باوجود اہتمام والوں کے اصرار پر مسلم شریف کا درس شروع کیا۔ حضرت مدنی کے درس کا انداز خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ خود سامنے کتاب نہ رکھتے اور ایک خاص خطبہ سے درس شروع کیا۔ طلبہ عبارت پڑھتے اور حضرت مدنی کتاب دیکھے بغیر تشریح کر دیتے۔ لہذا طلبہ بہت زیادہ خوش ہوئے۔ دوسری طرف حضرت شاہ کشمیری سے طلبہ نے درس کا مطالبہ کیا۔ اور اصرار کیا کہ ہم آپ سے کچھ مستفید ہو جائیں لیکن حضرت شاہ صاحب نے انکار فرمایا۔ مگر طلبہ کے شدید اصرار پر صرف موطا امام مالک شروع کی۔ جو آپ مسجد خانقاہ میں پڑھاتے تھے۔ بعد ازاں کسی نے مفاہمت کی نہ کوشش کی اور نہ کوئی مطالبہ منظور ہوا اور شاہ صاحب کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا۔

حضرت شاہ صاحب کے مطالبات میں سے دو مطالبے اہم تھے۔

۱۔ ایک یہ کہ ارکان شوریٰ میں تین اراکین کو شامل کیا جائے۔ جو حضرت مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی تھے۔

۲۔ دوم یہ کہ اہتمام حضرت نانوتوی کی اولاد اور پوتوں میں ہوں۔ اور چند شرائط کے ماتحت ہوں۔ وہ یہ ہیں۔ جید عالم ہوں، تجربہ کار ہوں، مدبر ہوں۔ اور مجلس شوریٰ کا مشورہ تسلیم کریں

ایک موقعہ پر شاہ صاحب نے تقریر کے دوران فرمایا کہ :-
" بڑوں میں حافظ احمد سے کوئی زیادہ محترم نہیں اور چھوٹوں میں مولانا قاری محمد طیب سے کوئی زیادہ عزیز نہیں۔
مزید فرمایا کہ یہ اختلافات دارالعلوم کی ترقی اور استحکام کے سلسلہ میں اجتہادی کوششوں کے مطابق تھے۔ جس سے کسی کو بھی مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

فرمایا کہ اس سال پشاور میں جمعیت علماء ہند کا جلسہ ہوا جس کی صدارت حضرت شاہ کشمیری نے کی۔
فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب بیمار بھی تھے اور حالات بھی خراب تھے۔ لہٰذا وہ گوشۂ عافیت تلاش کرنے لگے۔ ان دنوں دو جگہوں سے دعوت آگئی۔ لاہور سے ڈاکٹر اقبال نے دعوت دی کہ انجمن حمایت اسلام کی صدارت سنبھالیں اور اسلامیات کا درس بھی دیں اور ساتھ ہی شاہی مسجد لاہور کی خطابت بھی کریں۔

ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں کہ میرا مقصد یہ تھا کہ آیندہ زمانہ کے لئے شاہ صاحب کے ذریعہ فقہی اجتہادات ہو جائیں جس سے آیندہ نسلوں کو فائدہ پہنچے گا۔

دوسری جانب مدرسہ فتحپوری دہلی سے تدریس کا دعوت نامہ آیا۔ لہٰذا شاہ صاحب نے مفتی کفایت اللہ صاحب سے مشورہ لیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں مدرسہ فتحپوری کا ممبر بھی ہوں لیکن میرا مشورہ یہ ہے کہ وہاں نہ جائیں کیونکہ یہ انگریزی خوان لوگوں کا مدرسہ ہے یہ بے ادب ہوتے ہیں ان کے ساتھ وقت گذارنا مشکل ہے لہٰذا حضرت کشمیری نے اس مشورہ پر عمل کیا اور وہاں جانا پسند نہ کیا اور بعد میں فرماتے یہ تو میں نے اچھا کیا کہ مفتی صاحب کے مشورہ پر عمل کیا فتحپوری والے تو صرف مجھے لینا چاہتے تھے میرے ساتھ جو باقی بارہ مدرسین ہیں ان کا بھی انتظام کرنا پڑتا۔

فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب کا اپنا ارادہ کشمیر جانے کا تھا لیکن اس دوران شاہ صاحب کے شاگرد مولانا محمد موسیٰ سملکی آئے اور کہا کہ وہ ڈابھیل چلیں اس کے بعد سیٹھ یوسف گارڈی بھی آئے اور وہاں جانے کا اصرار کیا۔ شاہ صاحب نے مفتی کفایت اللہ اور مفتی عزیز الرحمن سے مشورہ لیا۔ ان دونوں نے وہاں جانے کا مشورہ دیا۔ مولانا عزیز گل صاحب نے حاجی محمد موسیٰ کو کہا کہ شاہ صاحب کو وطن سے اور زیادہ دور کر رہے ہو شاہ صاحب بیمار اور ضعیف ہیں۔ حاجی موسیٰ نے کہا کہ آپ کی بات تو ٹھیک ہے مگر میں ان کی ذات سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ ڈابھیل کا مدرسہ تعلیم الدین کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں مولوی عبدالجبار صوابی کے پڑھاتے تھے وہ پیر بھی تھے ــــ بعد میں شاہ صاحب نے اس مدرسہ کا نام جامعہ اسلامیہ رکھا جو اسی نام سے آج تک مشہور ہے۔ ڈابھیل کا یہ مدرسہ شاہ صاحب کی وجہ سے کامیاب ہوا۔ اور بہت سے جید علماء نے شاہ صاحب سے دورۂ حدیث پڑھا بمبئی اور احمد آباد کے علماء بھی فیض یاب ہوتے۔ ان کے ساتھ مولانا شبیر احمد عثمانی ترمذی اور مولانا سراج احمد ابوداؤد پڑھاتے تھے۔